شاہدہ رسول

پی ایچ ۔ڈی اسکالر،

شعبہ اردو، انٹر نیشنل اسلا مك یونیورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر نجیبہ عارف

صدر شعبہ اردو (ویمن سیکشن)،

انٹر نیشنل اسلا مك یونیورسٹی،اسلام آباد .

امجد اسلام امجد کے مقبول ٹی وی ڈرامے: تہذیبی و سماجی مطالعہ

Shahida Rasool
PhD Scholar, Urdu Department,
International Islamic University, Islamabad.
Dr. Najeeba Arif
Head, Urdu Department (Women Section),
International Islamic University, Islamabad.

Popular T.V Drama of Amjad Islam Amjad (Social Analysis)

Pakistan elevision, since its beginning, has produced many quality drama serials which have influenced the Pakistani society a great deal. Amjad Islam Amjad is one of the playwrights who have continuously written Urdu drama serials for PTV and almost all of his dramas received much appreciation and great popularity among masses. We have studied the social and cultural aspects of his drama serials in this article, which includes the analysis of Varis, Dehliz, Samandar, Waqt, Raat, Fishar, Din, Endhan and Inkar. It has been noticed that his dramas, not only depict the socio-cultural panorama of Pakistani society, but also influence the society through the strong social and moral messages they carry.

پاکستان ٹیلی ویژن کا آغاز ۱۹۶۴ میں لاہور کے ایک چھوٹے سے تجرباتی اسٹیشن سے ہوا جہاں سے سیاہ وسفید

(Black & White) نشریات پیش کی جاتی تھیں۔ بعدازاں ۱۹۶۷ میں کراچی اور راولپنڈی/اسلام آباد سے یہ سلسلہ شروع ہوااور ۱۹۷۴ میں کوئٹہ ٹیلی ویژن اسٹیشن نے نشریات کا آغاز کیا۔ ڈرامے ابتدا ہی سے ٹیلی ویژن کی نشریات کا حصہ رہے ہیں اور اس امر میں کوئی شک نہیں کہ آغاز ہی میں پاکستان ٹیلی ویژن کے سلسلہ وار ڈراموں نے نہ صرف پاکستان بلکہ پڑوسی ملک کے ناظرین کو بھی مسحور کرلیا تھا۔ یہ ڈرامے پاک و ہند میں اس قدر مقبول تھے کہ لوگ ہفتہ بھر ان کی اگلی قسط کا انتظار کرتے اور اپنے روزمرہ کے معمولات اس طرح ترتیب دیتے کہ ڈرامے کے وقت فارغ رہ سکیں۔ مقبول ڈراموں کی ہر قسط نشر ہونے کے بعد، اگلے روز دفتروں، اسکولوں اور کالجوں میں زیرِ بحث آتی اور عوام کی اکثریت ڈراموں کے کرداروں سے گہری وابستگی محسوس کرتی اور ان کی چال ڈھال، رویے اور طرزِ گفتگو کی تقلید کرنے میں خوشی محسوس کرتی۔ یوں پی ٹی وی کے سلسلہ وار ڈرامے پاکستان کی تہذیبی و سماجی زندگی پر شدت سے اثر انداز ہوتے رہے۔

کسی معاشرے کی سماجی تاریخ کا مطالعہ کرنے کے لیے ادب و فن نہایت کارآمد ثابت ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ادبی متون کے سماجی مطالعے جدید دنیا کی بین العلومی روایت کا جان دار حصہ بن چکے ہیں۔ اسی روایت کی پیروی میں زیرِ نظر مقالے میں فکشن کی ایک شاخ، یعنی ڈرامے کے ذریعے پاکستان کی تہذیبی و سماجی تاریخ کا مطالعہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ مطالعہ پاکستان ٹیلی ویژن پر پیش کیے جانے والے، امجد اسلام امجد کے منتخب اردو ڈراموں تک محدود ہے۔ اس مطالعے کے ذریعے یہ دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ کیا امجد اسلام امجد کے یہ ڈرامے پاکستان کی سماجی اور تہذیبی زندگی کے عکاس اور پاکستانی معاشرے میں رونما ہونے والی سیاسی و معاشرتی تبدیلیوں سے ہم آہنگ ہیں یا نہیں؟ نیز یہ کہ یہ ڈرامے پاکستان کی سماجی زندگی پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں؟ اور اس اثر انگیزی کی نوعیت کیا ہے؟

امجد اسلام امجد کا پہلا سلسلہ وار اُردو ڈراما ''وارث'' ۱۹۷۹ء میں نشر ہوا اور صرف اس سلسلہ وار اُردو کھیل نے اس ادیب ڈراما نگار کو لازوال شہرت اور عزت عطا کی۔ تئیس اقساط پر مشتمل اس سلسلہ وار اُردو کھیل کے ذریعے انھوں نے براہِ راست جاگیردارانہ نظام کو تنقید کا نشانہ بنایا کیونکہ اس نظام کے غیر انسانی روّیے نے صبحِ آزادی سے حاصل ہونے والے اُجالے کو دھندلا دیا تھا۔ یوں تو قیامِ پاکستان کے بعد اس نظام کی قباحتوں کو ناولوں اور افسانوں میں بھی اُجاگر کیا گیا لیکن جو مقبولیت امجد اسلام امجد کے ڈراما سیریل ''وارث'' کو نصیب ہوئی وہ کسی اور صنفِ ادب کے حصّے میں نہیں آئی۔ ڈراما سیریل ''وارث'' کی مقبولیت کے حوالے سے افضل حسین بخاری لکھتے ہیں:

> باقی شہروں کے بارے میں تو میں وثوق سے شاید کچھ نہ کہہ سکوں لیکن لاہور میں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ''وارث'' جب پہلی بار دکھایا گیا تو شام کو سڑکوں پر ٹریفک میں اتنی کمی آ جاتی تھی کہ کرفیو یا ہوائی حملے کا سا گمان ہونے لگتا تھا۔ بعض اوقات ''وارث'' کے ٹائم پر بھارتی دوردرشن سے فیچر فلم یا مقبول فلمی ڈانس اور گیتوں کا پروگرام چتر ہار دکھایا جاتا لیکن کسی گھر سے گانوں کی آواز یا دیوآنند کے مکالمے سنائی نہ دیتے۔ اگر سنائی دیتی تو فقط محبوب عالم کی پنجابی نما اُردو کی گھن گرج!

حصولِ آزادی کے بعد پاکستانی تہذیب وسماج میں جاگیردار طبقے نے ملک کے لامحدود وسائل پر قابض ہو کر نہ صرف عام آدمی کو جینے کے حق سے محروم کیا ہے بلکہ ترقی اور شعور کے ہر عمل میں رکاوٹ ثابت ہوا۔ امجد اسلام امجد نے جاگیرداروں کے اسی استحصالی روّیے کو وارث میں پیش کیا ہے اور اس تلخ حقیقت کی ترجمانی کا فریضہ سرانجام دیا کہ ان جاگیرداروں کے ہاری اور مزارع حصولِ آزادی کے باوجود اسی غلامانہ دور میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں جس نے ڈیڑھ سو سال سے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں پر فکر وشعور کے دروازے بند کر رکھے تھے۔ اس سلسلہ وار اُردو کھیل کے ذریعے جاگیردارانہ نظام کی قباحتوں کو اُجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ کمزور طبقے کے جذبات واحساسات کی عکاسی کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ڈراما امجد اسلام امجد کا پہلا اُردو کھیل ہونے کے باوجود قومی اور بین الاقوامی سطح پر بے حد مقبول ہوا۔ پاکستان ٹیلی ویژن کا یہ پہلا سلسلہ وار اُردو ڈراما ہے جو عوامی جمہوریہ چین، ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا کے مختلف نیٹ ورکس اور مشرقِ وسطیٰ کے کئی ٹی وی چینلوں پر دکھایا جا چکا ہے۔ اس کی ویڈیو دُنیا کے ہر حصے میں جہاں اُردو بولنے اور سمجھنے والے موجود ہیں، پہنچ چکی ہے۔ چین میں اسے چینی زبان میں منتقل کر کے دکھایا گیا ہے اور وہاں کی کچھ علاقائی زبانوں میں بھی اس کے تراجم ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ وہاں اسے تصویری کہانیوں کی ایک کتاب کی شکل میں بھی شائع کیا گیا ہے جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔[۲] پاکستان میں اس ڈراما سیریل کی مقبولیت محتاجِ بیان نہیں۔ اس کا سب سے پہلا اور واضح ثبوت یہ ہے کہ اس کی پہلی سات اقساط کا دورانیہ پچیس منٹ تھا جسے عوام کی پرزور فرمائش پر پچاس منٹ تک بڑھا دیا گیا۔ یہ ڈراما سیریل پاکستان ٹیلی ویژن سے نشر ہونے کے بعد کتابی صورت میں شائع کیا گیا تو ویڈیو کی طرح تحریر نے بھی عوام میں اس قدر پذیرائی حاصل کی کہ اب تک اس کے چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ پاکستان میں اس سلسلہ وار اُردو کھیل کی مقبولیت پر تبصرہ کرتے ہوئے مشتاق احمد یوسفی لکھتے ہیں:

> مغرب میں اکثر سننے میں آتا ہے کہ فلاں بلونڈ (Blonde) جب سڑک کے کنارے کھڑی نظر آ جاتی ہے تو سارا ٹریفک رُک جاتا ہے۔ ہم نے وطنِ عزیز میں یہ نقشہ دیکھا کہ امجد اسلام امجد کی وجہ سے سڑکوں سے ٹریفک یکسر غائب ہو جاتا تھا جس وقت ان کا یادگار سیریل ''وارث'' ٹی وی پر دکھایا جاتا تھا تو لوگ گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے، سڑکیں ویران ہو جاتی تھیں، یہاں تک کہ بے صبرے دُلہا بھی سہرا لٹکائے ٹی وی کے سامنے بیٹھے رہتے تھے کہ عقدگاہ (قتل گاہ کے انداز پر) جانا بے سود ہے۔ اس لیے کہ قاضی صاحب قسط دیکھنے کے بعد غُسل کرنے کے لیے روانہ ہوں گے خود دُلہن بھی ''وارث'' دیکھے بغیر ''قبول ہے'' نہیں کہے گی۔ ہمارے ہاں اور کون ہے جسے ایسی شہرت اور مقبولیت نصیب ہوئی؟[۳]

قومی اور بین الاقوامی سطح پر اس سیریل کی مقبولیت کا محرک محض اس کا موضوع نہیں بلکہ ڈرامے کے تمام کرداروں کی سلیقہ مندی سے پیشکش نے اس شہرتِ دوام بخشی۔ چودھری حشمت اور چودھری یعقوب کے ذریعے اگر مصنف نے تہذیب کا آشوب دکھایا ہے تو اسی جاگیردارانہ نظام کے پروردہ چودھری نیاز علی کے وسیلے سے اس حقیقت کی ترجمانی بھی کی ہے کہ ایسے ظالمانہ نظام میں شعور وآگہی کے پنپنے کی گنجائش اگرچہ بہت کم ہے تاہم چراغوں کو گُل کر کے اقتدار حاصل

کرنے کا خواب بھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا کرتا۔ ڈرامے کے تمام کرداروں کی تخلیق میں مصنف نے حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے ایک یادگار سیریل بنا دیا اور ہر کردار نے اس انداز سے اپنی اداکاری کے جوہر دکھائے کہ گویا وہ اسی کے لیے تخلیق کیا گیا تھا۔ امجد اسلام امجد نے چودھری حشمت کے پوتے نیاز علی کے علاوہ جاگیردارانہ سماج سے وابستہ تمام کرداروں کو متکبر، خود پسند اور ناقابلِ اصلاح دکھایا ہے۔ چودھری حشمت تمام تر رعونت کے باوجود کچھ خوبیوں کا مالک تھا مثلاً سکول ماسٹر کی سرپرستی وغیرہ۔ جب کہ چودھری یعقوب نخوت اور تکبر میں اپنے باپ کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ظالم تھا لیکن یہ دونوں کردار ڈرامے کے اختتام پر پسپا ہونے کے باوجود احساس برتری میں مبتلا دکھائے گئے۔ چودھری حشمت کی حویلی پر ڈیم کی تعمیر نے اسے اس کی جاگیر سے محروم کر دیا تھا۔ لیکن وہ اپنے بچاؤ کی تدبیر کرنے کی بجائے حویلی میں رہ کر فنا ہونے کو اس لیے ترجیح دیتا ہے کہ اس کی سرداری کا بھرم قائم رہ سکے۔ امجد اسلام امجد نے اس کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا:

> یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جاگیردار یا سردار پسپا ہونے کے باوجود راہِ راست پر لوٹنے کی بجائے شان سے مرنا پسند کرتے ہیں۔ ابوالحکم جسے ابوجہل کہا جاتا ہے بھی ایک سردار تھا اور اس نے کہا تھا کہ مرنے کے بعد میرا سر نیزے پر رکھ کر لہرانا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ ایک سردار کا سر ہے۔[۴]

اس سیریل کے تمام کردار اگرچہ نچلے متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح چودھری حشمت یا چودھری یعقوب کے زیرِ عتاب ہیں لیکن ڈراما نگار نے اِن تمام کرداروں کے ذریعے اس استحصال کا مؤثر ابلاغ کیا ہے جو جاگیرداروں کے ہاریوں اور مزارعوں کو سہنا پڑتا ہے۔ ڈرامے کے کینوس پر محض جاگیرداروں کے مزارع ہی نہیں بلکہ باشعور کردار بھی ہیں جن کے ذریعے اس ظالمانہ نظام کے خلاف بغاوت دکھائی گئی مثلاً ماسٹر منظور، علم دین کمہار اور اس کا بیٹا محمد رشید، دلاور اور مولا داد وغیرہ۔ شیر محمد کے ذریعے ڈراما نگار نے اس تاثر کو نمایاں کیا ہے کہ پاکستان ایک مثالی ریاست کی صورت میں قائم رہ سکتا ہے اگر شیر محمد جیسے محبِّ وطن اور فرض شناس لوگ اس مادرِ وطن سے وفاداری نبھانے کے لیے اپنے خواب اور جذبے قربان کرنے کا حوصلہ رکھیں۔ اس سلسلہ وار اُردو کھیل میں مردانہ کرداروں کا انبوہِ کثیر نظر آتا ہے۔ جبکہ نسوانی کردار پانچ ہیں لیکن ڈراما نگار نے ذکیہ اور صغریٰ کے ذریعے جاگیردارانہ نظام کی صدیوں پرانی روایات سے بغاوت کی مثبت مثال پیش کی ہے۔ یہ دونوں کردار نہ صرف پوری ڈرامائی فضا پر محیط ہیں بلکہ مصنف نے جاگیردار اور سرمایہ دار طبقے کی پسپائی کے لیے ان سے جو کام لیا ہے اس کی روشنی میں نسوانی کرداروں کی کمی کا گلہ بے جا محسوس ہوتا ہے۔

وارث کا نشریاتی دور مارشل لا کا زمانہ تھا جہاں تحریر و تقریر پر کچھ پابندیاں بھی عائد تھیں۔ ایسے میں ''وارث'' کی تھیم سوچنا اور ایسی سماجی حقیقت نگاری کرنا بلاشبہ جرأت مندانہ کاوش کو خراجِ تحسین اور حوصلے کی بات ہے۔ امجد اسلام امجد کی اس جرأت مندانہ کاوش کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے رضی الدین رضی لکھتے ہیں:

> یہ ۷۹۔۱۹۷۸ء کا زمانہ تھا جب انھوں نے وارث جیسا شاہکار تخلیق کیا۔ جنرل ضیاء کے

مارشل لا کا سورج نصف النہار پر تھا۔ شام ہوتے ہی ملک بھر میں سڑکیں اور گلی کوچے وارث کی محبت میں ویران ہو جاتے تھے۔ ہمیں پہلی بار معلوم ہوا کہ سڑکیں اور گلی کوچے صرف جبر کے خوف سے ہی ویران نہیں ہوتے۔ لوگ امجد اسلام امجد اور اس ڈرامے کے تمام کرداروں کے دیوانے ہو چکے تھے۔ اس ڈرامے نے جبر کے ماحول میں لوگوں کے زخموں پر مرہم رکھا اور انھیں بتایا کہ چودھری حشمتوں کی حشمت و ہیبت کا انجام کیا ہوتا ہے اور وقت کا بہاؤ ان کے جعلی رعب و دبدبے کی حویلیوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتا ہے اور پھر ہم نے آنے والے دنوں میں ایسی حویلیوں کو خس و خاشاک کی طرح بہتے ہوئے بھی دیکھا۔[۵]

جاگیردارانہ نظام نے پنجاب کے دیہی علاقوں میں بُری طرح لوگوں کا استحصال کر رکھا ہے۔ اب یہ سلسلہ دیہاتوں تک محدود نہیں بلکہ شہر کا سرمایہ دار جاگیردار سے زیادہ ظالم اور سفّاک ہے۔ اس لیے جب ''وارث'' کے چودھری حشمت اور چودھری یعقوب کے ذریعے پاکستان ٹیلی ویژن پر اسے نمایاں کیا گیا تو یہ دونوں کردار عوام میں بے حد مقبول ہوئے کیونکہ ان کے ذریعے ڈراما نگار نے جاگیردارانہ نظام کی بے لاگ تصویر کشی کی تھی۔ امجد اسلام امجد خیر کی بالادستی پر یقین رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ وار اُردو کھیل کا انجام عوامی اُمنگوں سے قریب تھا۔

اس مقبول سلسلہ وار اُردو کھیل کے ذریعے امجد اسلام امجد نے جاگیردارانہ نظام کو ہدفِ تنقید بنا کر پاکستانی تہذیب و سماج کے ان عوامل کی نشاندہی کی جس کی وجہ سے حصولِ آزادی کے بعد ارتقا کا سفر رُک گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے اس لازوال ڈرامے کے ذریعے ماضی کے اس روشن باب کی بازیافت کی ہے جسے جہالت، مفاد پرستی اور لالچ کی بنا پر ہم یکسر فراموش کر چکے ہیں۔ یوں اس معروف ڈراما نگار نے سماجی برائیوں کے خلاف قلم کے ذریعے جہاد کو اپنا مقصدِ حیات بنایا اور اس ڈرامے نے عوام کے فکر و نظر میں واضح تبدیلی پیدا کی ہے۔ ''وارث'' کے دیباچے میں امجد اسلام امجد رقمطراز ہیں:

مجھے مصلح لیڈر یا رضا کار کچھ بھی بننے کا شوق نہیں ہے میں اس معاشرے کا ایک عام ایک بہت معمولی فرد ہوں لیکن میری خواہش ہے کہ میں اپنی قلم سے ایسی باتیں لکھوں جس میں میرے ملک و قوم اور ہم وطنوں کی بھلائی ہو..... ہمارا ماضی ریگستان کی طرح ہے جس میں کہیں کہیں نخلستان اور میٹھے پانی کے چشمے ہیں لیکن ان کے چاروں طرف گرد و غبار اور دھند کا ایک جال سا تنا رہتا ہے۔ قدم قدم پر سراب اور گرد و غبار ہیں۔ بعض بہت خوشنما درختوں میں زہریلے پھل ہیں اور کئی خاردار جھاڑیوں میں پُھول مہک رہے ہیں۔ ان سب باتوں کو سمجھنا، ان کا مطالعہ، ان کا مشاہدہ اور تجربہ کرنا ماضی کے زندہ حصّے کی شناخت اور اسے مستقبل کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا ہر اہلِ علم اور ہر اہلِ قلم کا فرض ہے۔ مجھے احساس ہے کہ یہ ایک مشکل بہت مشکل اور انتہائی محنت طلب کام ہے لیکن اگر ہمیں زندہ قوم کی طرح رہنا ہے تو اس چیلنج کو قبول کرنا ہوگا۔[۶]

انگریز کی ڈیڑھ سو سال کی غلامی سے اُکتایا ہوا مسلم معاشرہ آزادی کا خواب اس لیے دیکھ رہا تھا کہ ایک آزاد مملکت میں مساوات اور برابری کے ان اصولوں کے تحت زندگی بسر کر سکے گا جو حضرت محمد ﷺ نے متعارف کرائے تھے۔ بلکہ اس کا عملی نمونہ بھی پیش کیا تھا مگر قیامِ پاکستان کے بعد جاگیردارانہ نظام نے تحریکِ آزادی سے حاصل ہونے والے اُجالے کو داغ داغ اور اس کے نتیجے میں طلوع ہونے والی سحر کو شب گزیدہ سحر بنا دیا ہے۔ امجد اسلام امجد انھی اقدار کی بازیافت چاہتے ہیں جن کا عملی نمونہ حضور ﷺ ہیں۔ وہ یہ اعتراف بھی کرتے ہیں کہ ''زمانہ طالب علمی میں وہ سوشلزم سے متاثر تھے[۷]'' مگر یہ حقیقت بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ''حضور ﷺ سے زیادہ ترقی پسند دُنیا میں اور کوئی نہیں[۸]'' امجد اسلام امجد نے ''وارث'' کو پاکستان کے اس خواب کے نام کیا ہے جو ہم سب میں تعبیر ڈھونڈ رہا ہے[۹]۔ اس ڈرامے میں انھوں نے اگرچہ جاگیردارانہ نظام کی شکست فاش دکھائی ہے۔ تاہم وہ اس حقیقت کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مکاری اور ظلم کی اَن گنت شکلیں ایجاد ہو چکی ہیں جنھوں نے تصورِ پاکستان کو یکسر گہنا دیا ہے۔

> امجد اسلام امجد نے پاکستان ٹیلی ویژن کے اس سلسلہ وار اُردو کھیل کے ذریعے سماجی حقیقت نگاری کا فریضہ پوری ذمہ داری سے سرانجام دیا۔ ''وارث'' ڈراما نگاری کی تاریخ میں ایک نیا موڑ ثابت ہوا۔ اس سیریل کے بعد کئی ڈراما نگاروں نے اس کی تقلید کرتے ہوئے اپنے اپنے انداز میں اس موضوع پر قلم اُٹھایا۔ مگر ''وارث'' جیسے لازوال ڈراما سیریل کے حوالے سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ امجد اسلام امجد ''وارث'' کے بعد اور کوئی ڈراما نہ بھی لکھتے تو اُردو ڈراما نگاری کی تاریخ میں اسی مقام کے مستحق تھے۔ اس لازوال ڈرامے کی مقبولیت کے بعد امجد اسلام امجد کو پاکستان ٹیلی ویژن کا سب سے پہلا ایوارڈ برائے بہترین مصنف دیا گیا۔ اس کے علاوہ نگار اور گریجویٹ ایوارڈ اور بے شمار دیگر تنظیموں کے خصوصی ایوارڈز بھی ملے[۱۰]

یہ ڈراما سیریل جاگیردارانہ نظام کے علاوہ مختلف طبقات کے مسائل اور فکر و شعور کی کہانی ہے۔ ڈراما نگار نے چودھری حشمت کو اس کے تمام ورثاء سمیت ختم کر کے اس امر کی ترجمانی کی کہ زمین کا اصل وارث اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ کسی جاگیردار یا سرمایہ دار کی ملکیت نہیں بلکہ اس میں آباد ہر شخص آزادی سے جینے کا استحقاق رکھتا ہے۔ اس سلسلہ وار اُردو کھیل کے حوالے سے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ پاکستان ٹیلی ویژن کے اُردو ڈرامے کو ناقدین اور محققین نے ایک طویل عرصے تک تحقیق و تنقید کا موضوع نہ گردانتے ہوئے اسے لائق توجہ نہ جانا مگر ٹی وی ڈرامے کے زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے کے بعد اب اسے صنفِ ادب کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا ہے تاہم تا حال کوئی ایسی مستند کتاب منظرِ عام پر نہیں آئی جو ٹی وی ڈرامے کے محقق کے لیے بنیادی حوالہ سمجھی جائے۔ البتہ ۱۹۹۹ء میں کراچی سے نسرین پرویز کی کتاب ''پاکستان کا ٹیلی ویژن ڈراما اور سماجی تبدیلیاں'' شائع ہوئی۔ یہ کتاب اس سلسلے کی پہلی کڑی ثابت ہوئی مگر تحقیقی و تنقیدی نظر سے اس کتاب کا جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مصنفہ نے بنیادی واقعات میں حقائق کو خلط ملط کر کے پیش کیا ہے۔ یہاں اس کتاب کے نقائص پر بحث کرنا مقصود نہیں بلکہ اس امر کی وضاحت مقصود ہے کہ مصنفہ نے مذکورہ بالا کتاب میں ''وارث'' پر تبصرہ کرتے ہوئے شیر محمد کی کہانی کو حقائق کے بالکل برعکس پیش کیا ہے۔ نسرین پرویز، شیر محمد

اور ذکیہ خاتون کے حوالے سے لکھتی ہیں:

> چودھری حشمت کا بیٹا جس نے خفیہ طور پر شہر میں ایک اسکول ٹیچر سے شادی کر لی تھی۔ اس ٹیچر کا باپ پہلے چودھری حشمت کے گاؤں میں اسکول ماسٹر ہوتا ہے جسے چودھری حشمت نے اس جُرم میں بیس برس سے اپنی ذاتی جیل میں رکھا ہوا ہے کہ وہ بچوں کو تعلیم دیتے ہوئے جاگیرداروں کے استحصالی روّیے کے خلاف تعلیم دیتا ہے اور ان میں انسانی شعور بیدار کرتا ہے۔ اس کے جیل میں جانے کے بعد اس کی بیوی اور بیٹی شہر چلے جاتے ہیں جہاں چودھری حشمت کا بڑا بیٹا تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ وہ اس لڑکی سے خفیہ شادی کر لیتا ہے اور بعد میں مر جاتا ہے۔[11]

نسرین پرویز کے اس بیان کی تردید کے لیے وارث کا درج ذیل اقتباس دیکھیے:

> شیر محمد: میں سید پور کے جنگلات میں فارسٹ گارڈ تھا۔ پاکستان بننے سے پہلے کی بات ہے..... چودھری حشمت اکثر وہاں شکار کھیلنے آیا کرتا تھا..... مجھے وہ اپنے غیر انسانی تکبر اور نخوت کی وجہ سے اچھا نہیں لگتا تھا مگر میں اس کی پذیرائی پر مجبور تھا کیونکہ وہ اس علاقے کا سب سے بڑا جاگیردار تھا اور میں ایک معمولی فارسٹ گارڈ..... -[12]

نسرین پرویز کی کتاب میں شیر محمد کی قید کی مدت بیس برس درج ہے جبکہ متن کا مطالعہ پچیس برس بتاتا ہے جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ذکیہ خاتون اور اس کی ماں شیر محمد کے قید ہو جانے کے بعد سکندر پور چھوڑ کر شہر کی طرف نقل مکانی پر مجبور ہوئیں تو اس کی تردید کے لیے ''وارث'' کے صفحہ ۲۴۴ سے ۲۵۹ دیکھے جا سکتے ہیں جن میں شیر محمد کی کہانی نسرین پرویز کے بیان کردہ حقائق سے یکسر مختلف ہے۔ نسرین پرویز کی کتاب میں ''وارث'' کا درج بالا اقتباس اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ پاکستان ٹیلی ویژن کا اُردو ڈراما اب تک کسی سنجیدہ تحقیق کا موضوع نہیں بن سکا۔

۱۹۸۱ء میں امجد اسلام امجد کا تحریر کردہ ڈراما سیریل ''دہلیز'' نشر ہوا۔ ''وارث'' کے بعد یہ ان کا پاکستان ٹیلی ویژن سے نشر ہونے والا دوسرا سلسلہ وار اُردو کھیل تھا۔ امجد اسلام امجد نے ''وارث'' کی طرح اس ڈراما سیریل میں خیر و شر کی کشمکش میں خیر کی بالادستی دکھائی ہے مگر یہ ڈراما سیریل امجد اسلام امجد کی منفرد تحریر ہونے کے باوجود ''وارث'' کی طرح مقبول نہ ہوا۔ اس حقیقت کا اعتراف خود مصنف نے ''دہلیز'' کے دیباچے میں کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ دہلیز ایک منفرد تجربہ ہونے کے باوجود وارث کی طرح مقبول نہ ہو سکا۔ حالانکہ اس کی کہانی ''وارث'' کے مقابلے میں زیادہ خوبصورت تھی۔[13]

> بلاشبہ ''دہلیز'' کی کہانی ''وارث'' کے مقابلے میں زیادہ منفرد اور خوبصورت ہے اور مصنف نے اس کے لیے منفرد تجربے کی اصطلاح استعمال کی کہ اس سلسلہ وار اُردو کھیل کے ذریعے انھوں نے فنکارانہ مہارت سے تین مکمل کہانیاں پیش کیں۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ سلسلہ وار اُردو ڈراما ''وارث'' کی طرح کیوں مقبول نہ ہو سکا تو اس کا محرک بقول مصنف

پاکستان ٹیلی ویژن کے مقتدر طبقے کا حاسدانہ روّیہ تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ ''جب ایک دم ''وارث'' کے حوالے سے مُجھے ٹی وی پر شہرت ملی تو جہاں لاکھوں کروڑوں لوگوں نے دل سے مُجھ سے محبت کی وہاں کچھ حسد کرنے والے بھی پیدا ہو گئے جو کہ فطری سی بات ہے لیکن اتفاق سے ان حسد کرنے والوں میں سے کچھ صاحبان اقتدار تھے یعنی وہ لوگ جو اس میڈیا پر قابض رہے جہاں سے کہ میں نے اگلا کھیل لکھنا تھا۔ لہٰذا وہ میرے لیے جتنی رکاوٹیں پیدا کر سکتے تھے انھوں نے کیں۔''[۱۴]

ڈراما سیریل ''دہلیز'' میں امجد اسلام امجد نے پاکستانی تہذیب وسماج کی عکاسی کے ساتھ ایک صحت مند معاشرے کے لیے سعیدہ، فقیر حسین اور رفیق کے ذریعے اس تہذیب وسماج کو بہترین معیار فراہم کیا تھا مگر پاکستان ٹیلی ویژن کے ذریعے اس کا جو حصّہ نشر کیا گیا۔ اس میں موجودہ تہذیب وسماج کی جھلک نظر آتی ہے اور جس حصے میں ڈراما نگار نے اعلیٰ اقدار کی بازیافت کی تھی اسے حذف کر دیا گیا۔ ڈراما نگار نے اس بددیانتی سے سمجھوتہ نہ کرتے ہوئے اس سلسلہ وار اُردو کھیل کو مکمل طور پر قارئین کے سامنے پیش کرنے کے لیے اس کی اشاعت کا اہتمام کیا کیونکہ تخلیق کار دو دُنیاؤں کا مسافر ہوتا ہے۔ ایک وہ دُنیا جو اس کے گرد و پیش میں آباد ہے اور دوسری وہ مثالی دُنیا جسے وہ اپنے تہذیب وسماج میں آباد دیکھنا چاہتا ہے۔[۱۵]

آئندہ صفحات میں ان حصوں کی نشاندہی کی جائے گی جسے پاکستان ٹیلی ویژن سے نشر نہیں کیا گیا۔ ''دہلیز'' میں امجد اسلام امجد نے تین کہانیاں اس انداز میں پیش کی ہیں کہ تینوں کہانیاں ایک دوسرے سے مربوط دکھائی دیتی ہیں۔ بعد میں دوسرے ڈراما نگاروں نے بھی یہ تجربہ دُہرایا مگر جس کامیابی سے امجد اسلام امجد نے تینوں کہانیوں کو نبھایا وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آئی۔ پہلی کہانی کے حوالے سے امجد اسلام امجد رقمطراز ہیں:

> پہلی کہانی کے ذریعے میں نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ مادی اور اخلاقی قدروں کے تصادم میں انسانوں پر کیسی کیسی قیامتیں گزر جاتی ہیں اور اس بات پر زور دیا تھا کہ اخلاقی قدروں کے ساتھ ہر طرح کے دباؤ میں زندہ رہنا مادی قدروں کی نام نہاد فراغت سے بہر حال بہتر ہے۔[۱۶]

رفیق اور جہانگیر کی کہانی کے ذریعے ڈراما نگار نے اگرچہ جاگیردارانہ استحصال کو نمایاں کیا ہے تاہم بنیادی طور پر رفیق کے ذریعے صحت مند معاشرے کی تشکیل کے لیے بہترین معیار فراہم کیا گیا۔ اس حوالے سے امجد اسلام امجد خود لکھتے ہیں:

> دوسری کہانی کا بنیادی مقصد یہ دکھانا تھا کہ جیل، مجرم اور معاشرے کا بنیادی تعلق کیا ہے اور کیا ہونا چاہیے۔ میرے نزدیک وہ قانون انتہائی بے اثر اور بے معنی ہے جو ایک سڑک پر بھڑکیں مارے ہوئے چاقو بدست کو پکڑ کر چار چھ مہینے کے لیے جیل میں بند کر دیتا ہے اور پھر اسی چاقو اور اسی ذہنی طرزِ فکر کے ساتھ اسے دوبارہ اسی سڑک پر کھلا چھوڑ دیتا ہے۔ میرے خیال میں مجرم

یا بُرے لوگ ذہنی بیمار ہوتے ہیں جس طرح آپ ٹی بی کے مریض کو کچھ وقفے کے لیے سینی ٹوریم میں داخل کر دیتے ہیں اور اس دوران اس سے میل جول، کاروبار، شادی بیاہ کا تعلق نہیں رکھتے لیکن صحت یابی کے بعد اس سے تمام مروّجہ شہری، معاشرتی اور افسانوی حقوق بحال کر لیتے ہیں۔ اسی طرح مجرموں کے لیے بھی اصلاح اور اصلاح کے بعد معاشرے کے فعال اور ذمہ دار رُکن بن سکیں، مواقع فراہم ہونے چاہئیں۔ رفیق کا کردار اسی سوچ کا آئینہ دار ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ اس مقصدی اور تعمیری سوچ کو بدمعاشی glorification کا نام لے کر مسخ کر دیا گیا۔۱۷

فکر و شعور کے اسی روشن زاویے کی عکاسی کے لیے ڈراما نگار نے فقیر حسین کی بیٹی سعیدہ کو وسیلہ بنایا۔ سعیدہ اپنے چچا احمد علی کے بیٹے خالد کے لیے جو اپنے باپ اور بھائی عابد سے مختلف تھا، نرم گوشہ رکھتی تھی مگر جب رفیق کا برسوں پرانا انتقام سردار جہانگیر سے قدرت خود لے لیتی ہے اور رفیق اپنے سابقہ گناہوں کی سزا بھگتنے کے لیے خود کو قانون کے حوالے کر دیتا ہے تو سعیدہ باپ اور چچا کے اختلاف دور ہو جانے کے باوجود رفیق کو اپنے ہم سفر کی حیثیت سے اپنانے کا فیصلہ کر لیتی ہے تا کہ وہ صراطِ مستقیم سے پھر کسی محرومی یا مجبوری کے نتیجے میں نہ بھٹک سکے مگر پاکستان ٹیلی ویژن سے نشر ہونے والے ڈراما سیریل ''دہلیز'' میں اس آخری منظر کو حذف کر دیا گیا جس سے ناظر کو تاثر ملا کہ خاندانی رنجشیں دور ہو جانے کے بعد خالد اور سعیدہ کی نسبت طے کر دی گئی ہے۔ دوسری طرف سردار جہانگیر کی حویلی کو آگ لگنے کے بعد رفیق کے خود کو قانون کے حوالے کر دینے کے فیصلے سے بھی ناظر کو آگاہ نہیں کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ڈراما ''وارث'' کے مقابلے میں زیادہ مقبول نہ ہو سکا۔ اس سلسلہ وار اُردو کھیل کی آخری قسط کے کم و بیش پانچ مناظر پاکستان ٹیلی ویژن نے ریکارڈنگ کے بعد کاٹ دیے جس سے کہانی کا تاثر بُری طرح مجروح ہوا۔ تیسری کہانی کو تکون کہنا چاہیے۔ یہ انیسہ، جمال اور تمکین کی کہانی ہے۔ اس کہانی کے حوالے سے امجد اسلام امجد لکھتے ہیں:

تیسری کہانی محبت، لالچ، انسانی کمزوری اور پچھتاوے کا ایک منظر نامہ تھی اور اس کے کردار اپنی نوعیت اور Treatment کے اعتبار سے نسبتاً زیادہ مشکل، نازک اور حساس تھے۔۱۸

مندرجہ بالا تینوں کہانیوں کو فنکار نے اس خوبصورتی سے ایک دوسرے میں پرویا ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ایک کہانی دوسری کہانی سے پھوٹتی جا رہی ہو اس طرح قصہ در قصہ کہانی کا لطف پیدا ہو جاتا ہے۔ کہانی کا یہی پہلو ہے جس کے لیے مصنف نے خود اس سیریل کی ابتداء میں نئے تجربے کی اصطلاح استعمال کی ہے۔[19] اس ڈرامے کی کہانی قاری اور ناظر کے لیے بصیرت افروز ہے۔ ڈراما نگار نے جگہ جگہ ایسے اشارے کیے ہیں جن سے اس ڈرامے کی معنویت اور مقصد واضح ہو جاتا ہے۔ ڈراما نگار خیر کی بالادستی پر یقین رکھتا ہے۔ لہٰذا ڈرامے کا تہذیبی اور سماجی مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ڈراما سیریل ''دہلیز'' کے ذریعے فنکار نے نہ صرف اعلیٰ تہذیب و سماج کی بازیافت کی کوشش کی ہے بلکہ قاری اور ناظر کو بہترین معیار دے کر اعلیٰ اقدار کی بازیافت کا کام بھی کیا ہے مثلاً اس ڈراما سیریل میں جس خوبصورت انداز سے رشتوں اور دوستی کی اہمیت کو اُجاگر کیا گیا ہے اسے دیکھ کر یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ڈراما نگار ایک

بہترین تہذیب ومعاشرے کے لیے موجودہ سماج کو کچھ معیارات دینے میں کامیاب ہوا ہے۔ فقیر حسین احمد علی کے ظلم و ستم کا شکار رہنے کے باوجود اس کی علالت کے دنوں میں جس محبت اور خلوص سے اس کی تیمارداری کرتا ہے وہ مناظر قاری اور ناظر کے لیے نہ صرف بصیرت افروز ہیں بلکہ انسانی فطرت بھی ایسے ہی معیارات کو اپنانے اور فروغ دینے کا تقاضا کرتی ہے۔

اس ڈرامے کا مطالعہ کرنے سے ماضی کے اس روشن باب کی بازیافت بھی ہوتی ہے جہاں ایثار وقربانی بھٹکے ہوئے مسافروں کو راہِ راست پر لاسکتی ہے۔ سعیدہ اگرچہ خالد کے لیے پسندیدگی کے جذبات رکھتی ہے مگر ڈرامے کے بالکل اختتام پر وہ اپنے بھائی اختر کے دوست رفیق کو سہارا دینے کا اعلان کر کے نہ صرف انسانی روّیے کی بقا کی ضامن بن جاتی ہے بلکہ وہ اپنے لطیف جذبات کو ایک ایسے شخص کے لیے قربان کر کے جس کے سابقہ گناہوں کی وجہ سے معاشرہ اسے عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا یہ تاثر بھی دیتی ہے کہ اگر انسان سچ مچ اشرف ہے تو پھر اسے سلیقہ آنا چاہیے کہ وہ اپنی خواہش پر دوسرے کی ضرورت کو مقدم جانے۔ ڈرامے کا یہ اختتامی موڑ ایک اور مثبت قدر کی نمائندگی بھی کرتا ہے کہ مرد کی طرح عورت کو بھی اپنی پسند اور ناپسند کا اظہار کرنے کا حق حاصل ہے۔ ان سب باتوں کو مدنظر رکھ کر اس ڈرامے کا تہذیبی وسماجی مطالعہ کیا جائے تو ڈراما نگار کے اس دعویٰ میں صداقت دکھائی دیتی ہے کہ یہ ایک انوکھا تجربہ ہے۔

جہاں تک اس سلسلہ وار اُردو کھیل کی مقبولیت کا تعلق ہے تو اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ یہ ''وارث'' کے مقابلے میں کم مقبول سہی مگر مجموعی طور پر اس کا ۱۰ فیصد حصہ پاکستان ٹیلی ویژن سے نشر نہ ہو سکنے کے باوجود اسے بے حد پسند کیا گیا۔ اس بات کا واضح ثبوت یہ ہے کہ ۲۰۱۴ء کو پاکستان ٹیلی ویژن کے ''گولڈن جوبلی سال'' کے طور پر منانے کا اہتمام کیا گیا۔ ''سنہری یادیں'' کے سلسلے کے ایک پروگرام میں ''دہلیز'' کو ''دھوپ کنارے'' اور ''تیسرا کنارہ'' کے مقابلے میں رکھ کر عوام کی رائے لی گئی کہ وہ ان میں سے کون سا ڈراما دیکھنا پسند کریں گے اس موقع پر ۵۵ فیصد لوگوں نے ڈراما سیریل ''دہلیز'' کو دوبارہ دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔[۲۰]

لیکن پاکستان ٹیلی ویژن نے اس مرتبہ بھی اس سلسلہ وار اُردو کھیل کو ناظرین تک پہنچانے میں غفلت اور غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسے مناظر حذف کر دیے جن کے بغیر کہانی کا کوئی دیرپا تاثر ''دہلیز'' کے نئے ناظر پر مرتب نہ ہو سکا۔ مثلاً سعید غنی کا جمال کو انیسہ کے خلاف سازش پر اُکسانا، رفیق کا اختر کی اصلاح کرنا، تمکین کا بیگ گرنے سے جمال اور اس کی ماں کی تصویروں کا جمال کے سامنے بکھر جانا ایسے اہم مناظر تھے جن پر کہانی کی معنویت کا انحصار تھا مگر دوسرے نشریاتی دور میں ان پانچ مناظر کے علاوہ اس طرح کے کئی اور مناظر حذف کر کے کہانی کو دلچسپی کے عنصر سے محروم کر دیا گیا۔

''جدید اُردو ڈراما'' کے مصنف ڈاکٹر ظہور الدین نے بھی امجد اسلام امجد کے ڈراما سیریل ''دہلیز'' کا پلاٹ بیان کرتے ہوئے چند ایسی غلطیاں کی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے اس ڈرامے کا متن پڑھا ہے اور نہ اس کو توجہ سے دیکھا ہے۔ مثلاً ڈاکٹر ظہور الدین نے احمد علی کو فقیر حسین کا سگا بھائی بتایا[۲۱] جبکہ ڈرامے کے اصل واقعات کے مطابق فقیر حسین احمد علی کا چچازاد بھائی تھا۔[۲۲]

اس کے علاوہ انھوں نے بتایا کہ سعیدہ کی سلطان سے ملاقات کسی دوسرے تجارتی ادارے میں ہوئی جبکہ وہ انیسہ جمیل ہی کے دفتر میں سلطان سے ملی تھی۔ اس کے علاوہ چند اور واقعات بھی محل غور ہیں جنھیں طوالت کے خوف سے قلم انداز کیا جاتا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ جن محققین نے ڈرامے کو تحقیق و تنقید کا موضوع بنایا ان میں سے بیشتر نے ڈرامے کے واقعات کی ترتیب و تنظیم کا خیال نہیں رکھا۔ امجد اسلام امجد نے بطور ڈراما نگار تلخ سماجی حقائق پر قلم اُٹھایا ہے لیکن ڈرامے کو زندگی سے ہم آہنگ کرنے کے لیے ان لطافتوں سے بھی اغماض نہیں برتا جو زندگی میں حُسن اور اعتدال کا محرک ہوا کرتی ہیں۔ انھوں نے اپنے تمام ڈراموں کے ذریعے روشن تہذیبی زاویوں کو نمایاں کرنے کے ساتھ ساتھ اس تہذیبی بحران کی نشاندہی بھی کی ہے جس کی وجہ سے ہمارا معاشرہ بے اعتدالی کا شکار ہے۔

اس تناظر میں ۱۹۸۳ء میں پاکستان ٹیلی ویژن سے پیش کیے گئے امجد اسلام امجد کے سلسلہ وار اُردو کھیل ''سمندر'' کا تہذیبی و سماجی مطالعہ خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ترتیب کے اعتبار سے یہ سلسلہ وار اُردو کھیل امجد اسلام امجد کا تیسرا ڈراما ہے جس میں انھوں نے سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے مگر اس سلسلہ وار اُردو کھیل کی انفرادیت یہ ہے کہ اپنے نام کی مناسبت سے ان گنت موضوعات کا احاطہ کرتا ہے۔ اس ڈرامے کے حوالے سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس کے ذریعے ڈراما نگار نے زندگی کے تمام روشن اور تاریک زاویوں کی نشاندہی کی ہے۔ اس سلسلہ وار اُردو کھیل کی تہذیبی اور سماجی اہمیت ہی درحقیقت اس کی غیر معمولی مقبولیت کا محرک ہوئی۔

یہ سلسلہ وار اردو ڈراما تکنیک کے اعتبار سے امجد اسلام امجد کے دوسرے ڈراموں سے مختلف اور فکشن سے قریب تر ہے کیونکہ اس کی مرکزی کہانی قاری اور ناظر کو فلیش بیک کی تکنیک کے ذریعے بتائی گئی ہے۔ اس تجربے کے ذریعے مصنف ڈرامے میں تجسس کے عنصر کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہوا۔

اس ڈراما سیریل میں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے باہمی اختلاف کی صورت میں تصادم دکھایا گیا۔ جاگیردارانہ نظام کی بیخ کنی امجد اسلام امجد کے بیشتر ڈراموں کا موضوع ہے۔ اس سلسلہ وار اُردو کھیل کی اہمیت یہ ہے کہ اس کھیل میں ڈراما نگار نے بیک وقت کئی سماجی موضوعات کا احاطہ کیا ہے اور سماجی حقیقتوں کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ ڈرامے کے افسانوی عنصر کو برقرار رکھنے کے لیے ناصر اور شہباز کی بیٹی نوشین کے لطیف جذبات و احساسات کی یوں آمیزش کی کہ کہانی میں دلچسپی کا عنصر بھی برقرار رہ سکے اور ہلکے پھلکے رومان کے ذریعے اس تلخ حقیقت کی ترجمانی بھی ہو سکے کہ جاگیردارانہ نظام میں روح کی توقیر اور جذبات و احساسات کے کوئی معنی نہیں اس ڈراما سیریل کے حوالے سے امجد اسلام امجد رقمطراز ہیں:

> سکرپٹ کے اعتبار سے ''سمندر'' میرے لیے بھی انتہائی کامیاب اور خوشگوار تجربہ تھا کہ ایسی گھمبیر، متنوع کرداروں سے پُر اور ملٹی ٹریک کہانی کے مختلف موڈز کو برقرار رکھنا اور رومان، پر اسراریت سازش، کشمکش اور مزاح کو ایک ساتھ چلاتے ہوئے اٹھارہ ہفتوں تک ناظرین کی دلچسپی اور توجہ قائم رکھنا ایک پہاڑ کے بوجھ سے کم نہیں تھا۔ ۲۳

ڈراما بنیادی طور پر پانچ دوستوں باقر، حبیب، قدیر، ابراہیم، شہباز اور احمد کمال کی کہانی ہے۔ یہ پانچوں دوست سرمایہ دار تھے لیکن ڈراما نگار نے باقر اور احمد کمال کو خیر کا علمبردار دکھایا ہے جبکہ خان شہباز، قدیر اور ابراہیم کے ذریعے

مفاد پرستی اور حیلہ سازی کے اَن گنت زاویوں کو نمایاں کیا ہے۔ اور انجام کار وطن دشمن عناصر کی پسپائی دکھا کر یہ تاثر اُجاگر کیا ہے کہ پاکستان کے محبِّ وطن افراد ہی اس سرزمین کو امن کا گہوارہ بنا سکتے ہیں۔

یہ سلسلہ وار اُردو کھیل اپنے نام کی مناسبت سے کئی ضمنی کہانیوں کو بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ فنکار کا کمال یہ ہے کہ اس نے مرکزی کہانی سے وابستہ چھوٹے چھوٹے واقعات کو اس ترتیب اور سلیقے سے پیش کیا ہے کہ ہر قصہ قاری اور ناظر کے دماغ کی بازیافت کے لیے نہایت اہم ہے۔ ان ضمنی واقعات کے تجزیاتی مطالعے سے ڈرامے کی معنوی خوبیوں کی پوری وضاحت ہو سکے گی۔

باقر کے بیٹے یاسر کا گھرانہ اس کی ماں کے تسلیم و رضا کی وجہ سے امن و محبت کا گہوارہ ہے۔ اس لیے یاسر کا ایک دوست گلو جو کُنبے اور رشتوں سے محروم تھا، اس گھرانے کا ایک فرد بن جاتا ہے اور اس کا تکیۂ کلام ''کس کو کہہ رہے ہو'' بے حد مقبول ہوا اسی گھرانے کے توسط سے ڈراما نگار نے اس تلخ حقیقت کو بھی اُجاگر کیا ہے کہ شرافت اور وضع داری کے لبادے میں بعض اوقات مفاد پرست لوگ سادہ اور معصوم لوگوں کا کس بے دردی سے استحصال کرتے ہیں۔ قمر النساء کا کردار اسی حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ خواتین کی تجارت کرنے والی یہ نام نہاد شریف خاتون یاسر کی ماں عشرت کو مکاری اور عیاری سے اپنے جال میں پھنسانے میں کامیاب ہو جاتی ہے اور عشرت اس کے دامِ فریب میں آ کر اپنی بیٹی کا رشتہ قمر النساء کے ''زرخرید'' بھانجے کے ساتھ جوڑنے پر آمادہ ہو جاتی ہے مگر امجد اسلام امجد نے اپنے تمام ڈراموں میں اس یقین کو پختہ کرنے کی کوشش کی کہ خیر کے علمبردار کسی عقبی وار سے پسپا نہیں ہو سکتے کیونکہ قدرت ان کی خود حفاظت کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قمر النساء کے ظلم کی اسیر تبسم اس کے افعال اور اپنی زندگی سے ناآسودہ ہو کر گلو پر راز فاش کر دیتی ہے کہ وہ اس کی بیٹی نہیں بلکہ اس کے جھانسے میں آ کر یہ ذلت بھری زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ یوں گلو اور تبسم کے توسط سے نہ صرف قمر النساء شکست سے دوچار ہوتی ہے بلکہ یاسر کی بہن سدرہ کا مستقبل بھی محفوظ ہو جاتا ہے۔

ہندو مسلم تہذیب و ثقافت کے اختلاط کی وجہ سے ایک طویل عرصہ ہمارے تہذیب و سماج میں بیوگی باعثِ ذلت اور آزار رہی اور یہ تاثر رہا کہ بیوہ خاتون تہذیب و سماج میں اپنا مثبت کردار ادا کرنے سے قاصر ہے۔ امجد اسلام امجد نے اس سلسلہ وار اُردو کھیل میں یاسر کی ماں عشرت کی بلند حوصلگی اور عظمت کی تصویر دکھا کر اس منفی تاثر کو بدلنے کی کوشش کی۔ یوں یہ کہنا بے جا نہیں کہ امجد اسلام امجد کے ڈرامے تہذیبی و سماجی روّیوں کے عکاس بھی ہیں اور وقت کے بے کراں سمندر میں نئے تہذیب و سماج کے لیے بہترین معیار بھی۔ اس سلسلہ وار اُردو کھیل کے تمام کرداروں کے ذریعے ڈراما نگار نے یہ تاثر اُجاگر کیا ہے کہ افراد کے اچھا یا بُرا ہونے میں سب سے بڑا محرک وہ ماحول ہوتا ہے جس میں ان کی کردار سازی کی جاتی ہے۔ یاسر کم سنی میں اپنے کنبے کی کفالت کے جذبے سے گھر سے باہر نکلتا ہے اور پہلے ہی موڑ پر اسے مکار و عیار رکشہ ڈرائیوروں کی سازش کے نتیجے میں حوالات کے دھکے کھانا پڑتے ہیں۔ ایسے میں نوعمر یاسر کے لیے اپنی ڈگر سے ہٹ جانے کے اَن گنت مواقع موجود تھے مگر ڈراما نگار نے ایک طرف زمان (یاسر کے باپ کے دوست) کے وسیلے سے اسے گم کردہ راہ مسافر ہونے سے بچایا تو دوسری طرف وہ مخصوص ماحول جس میں اس نے پرورش پائی تھی اس ناگہانی حادثے سے سنبھلنے میں اس کی معاونت کرتا ہے۔

گلو کی تربیت کسی نے نہیں کی وہ خودرو پودا تھا اچھے اور بُرے دونوں اثرات اس پر مرتب ہو سکتے تھے لیکن چونکہ یہ

ڈرامے کے مرکزی کردار یاسر سے وابستہ ہے اس لیے کسی تہذیب سے نا آشنا ہونے اور غیر تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود وہ بالغ النظر اور باشعور ہے۔ وہ ایک دردمند دل کا مالک ہے۔ یاسر کے کنبے کی محبت نے اسے رشتوں میں جینا سکھایا۔ اسی لیے وہ تبسم جیسی عورت سے، جو گھر سے بھاگ کر طوائف کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے، شادی کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

تنویر اور مہروز دو ایسے کردار ہیں جن کی تربیت خاص طرح کے جارحانہ ماحول میں ہوئی۔ ان کرداروں کے توسط سے ڈراما نگار نے یہ تاثر دیا ہے کہ جیسی کھیتی بوئی جائے گی ویسی ہی فصل کاٹنی پڑے گی۔ مہروز، شہباز خان اور تنویر قدیر کا اکلوتا وارث ہے جس طرح یاسر اور ناصر اپنے باپ (باقر) کی طرح نیک فطرت ہیں اسی طرح تنویر اور مہروز وقتی فائدہ دیکھنے والے خودغرض اور خودفریب انسان ہیں۔ چودھری حشمت جو ''وارث'' کا مرکزی کردار ہے نہایت سفاک ہے۔ اس کے مقابلے میں ''سمندر'' کا چودھری شہباز خان اپنی تمام تر سفاکی کے باوجود شعوری طور پر کچھ قدروں کی پاسداری ضرور کرتا ہے مثلاً بیٹی کی فرمائش پر ناصر کو چھوڑ دینا اور احمد کمال کی بیٹی کی پرورش اس کی نیکیاں ہیں جس کی وجہ سے مہروز تنویر کے مقابلے میں بھروسہ کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہے۔ مہروز اور تنویر کے درمیان محاذ آرائی کا سبب تنویر کی مکاری ہے۔

ان کرداروں کے تجزیاتی مطالعے کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ امجد اسلام امجد نے افرادِ معاشرہ کی تربیت اور کردار سازی میں جہاں خاص طرح کے تہذیبی ماحول کو جزوِ لاینفک گردانا ہے۔ وہاں اس امر پر بھی زور دیا ہے کہ انسان اپنے خاندان سے مخصوص عادات و اطوار ہی ورثے میں نہیں پاتا بلکہ اسے نیکی اور بدی کی صلاحیت بھی ورثے کے طور پر ودیعت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سمیرا خان شہباز کی حویلی میں پرورش پانے کے باوجود سوچ کے اعتبار سے اپنے باپ احمد کمال (زمان) ہی کا عکس ہے۔ احمد کمال دراصل ان دونوں خاندانوں میں دراڑ پیدا کرنے میں اہم محرک ثابت ہوا مگر احمد کمال کا طریقہ شہباز خان اور قدیر سے مختلف ہے۔ وہ ایک اچھے نفسیات دان کی طرح یہ سمجھتا ہے کہ جب انسان کا ضمیر مر جائے تو انسان اندر سے کھوکھلا ہو جاتا ہے۔ اس لیے پندرہ سال کی اذیت کا بدلہ وہ محض دو برسوں میں برابر کر دیتا ہے۔ دراصل اس کردار کے وسیلے سے ڈراما نگار نے ماضی کے روشن حصّے کی بازیافت کی ہے اور اس امر پر زور دیا ہے کہ معاشرتی تعمیر و ترقی کے لیے بزرگوں کے ان تجربات سے استفادہ کرنا لازم ہے جنھیں میکانکیت کے زیرِ اثر فرسودہ خیال کر کے یکسر فراموش کر دیا گیا ہے۔

اس ڈرامے کا موضوع ''سمندر'' ہے۔ وقت کا ایسا بے کراں سمندر جو کبھی کبھی خس و خاشاک کے ساتھ ہیرے جواہرات کو بھی اپنے ساتھ بہا کر لے جاتا ہے۔ لہٰذا اس ڈراما سیریل میں شیطانی قوتوں کے ساتھ جمیلہ (احمد کمال کی بیوی) اور باقر (یاسر کا باپ) بھی لقمۂ اجل بن گئے۔ احمد کمال خیر کی فتح کی علامت ہے۔ اپنے ان دونوں ساتھیوں کے بچھڑ جانے پر غم زدہ اور خالی ہاتھ رہ جاتا ہے لیکن وہ مطمئن ہے کیونکہ تہذیبی بقا کا عمل ایثار و قربانی کے بغیر ناممکن ہے۔ ۱۹۸۴ء میں امجد اسلام امجد کا چوتھا سلسلہ وار اُردو کھیل ''وقت'' پاکستان ٹیلی ویژن سے نشر ہوا۔ یہ ڈراما کل (۱۶) سولہ اقساط پر مشتمل ہے۔ ''وقت'' ان معدودے چند ڈراموں میں سے ہے جس کے مسودے کو کتابی شکل دی گئی۔ ۳۵۷ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۲۰۰۶ء میں شائع ہوئی۔

یہ ڈراما بھی خیر وشر کا رزم نامہ ہے لیکن امجد اسلام امجد کے دوسرے ڈراموں کے برعکس یہاں خیر کا علمبردار شخص عوامی قبیلے سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ ایک وڈیرہ اور جاگیردار ہے۔ امجد اسلام امجد نے چودھری منصب کو خیر کی علامت بنا کر اس تاثر کو اُجاگر کیا ہے کہ سرمایہ دار اور جاگیردار کے لیے لازم نہیں کہ وہ ظالم اور جابر ہو۔ فطری طور پر انسان دوست شخص کے لیے دولت ایک بہت بڑی نعمت ہے جس کے ذریعے وہ نہ صرف کمزوروں کا دفاع کر سکتا ہے بلکہ شہادت جیسے بُلند مرتبے پر فائز بھی ہو سکتا ہے لیکن وہ اس خوبی کا اطلاق پوری جاگیردارانہ جماعت پر کرنے کے حامی نہیں بلکہ انفرادی طور پر اسے تسلیم کرتے ہیں جس کی ایک جھلک ہم سلطان پور کے چودھری منصب میں دیکھ سکتے ہیں۔ اپنے ایک لیکچر میں کہتے ہیں:

> کسی نے مجھ سے پوچھا کہ میں جاگیرداروں کے خلاف کیوں ہوں؟ میں نے کہا میں "Individual" کے خلاف نہیں ہوں۔ میں کلاس کے خلاف ہوں ہو سکتا ہے ایک فیوڈل لارڈ ایک اچھا انسان ہو لیکن بطور کلاس یہ معاشرے کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔۲۴

اس ڈرامے میں بھی امجد اسلام امجد نے تین کہانیاں پیش کی ہیں۔ پہلی کہانی کا تعلق سلطان پور کے چودھری منصب اور مہتاب گڑھ کے سرداروں سے ہے۔ دوسری کہانی ریاض علی کی ہے جو کسی نہ کسی طرح مہتاب گڑھ سے جُڑا ہوا ہے جبکہ تیسری کہانی کرنل کبیر اور اس کے بیٹے تنویر کی ہے۔ یہ تینوں کہانیاں ایک دوسرے سے اس طرح مربوط ہیں کہ دیکھنے والا پڑھنے والا کہیں بھی اکتاہٹ اور بے زاری کا شکار نہیں ہوتا بلکہ وقت کی ستم ظریفی پر نوحہ کناں ہوتا ہے جو عام طور پر خس وخاشاک کے ساتھ ساتھ ہیرے جواہرات کو بھی اپنی زد میں لے لیتا ہے۔ اس سلسلہ وار اُردو کھیل کی اہمیت یہ بھی ہے کہ یہاں ڈراما نگار نے ان افرادِ معاشرہ کی اصلاح وترقی کے لیے بہترین معیار متعین کرنے پر زور دیا ہے جو کسی معاشرتی دباؤ یا جبر کے تحت مجرمانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس ڈرامے میں امجد اسلام امجد نے جیل خانے کے نظام کی تصویر کشی کر کے ان مجرموں کے حوالے سے مروّجہ زاویۂ نظر بدلنے کی تلقین کی ہے۔ اس حوالے سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ فکر ونظر کا جو زاویہ ''دہلیز'' میں نمایاں نہ ہو سکا اس کا ابلاغ چودھری منصب کے بیٹے مظفر اور ڈرامے کی مرکزی کردار افروز کے ذریعے پوری وضاحت سے کیا گیا۔

ڈراما نگار نے اس ڈرامے میں خیر کی بالادستی دکھائی ہے اور معاشرتی اصلاح کا وہی فریضہ سرانجام دیا ہے جس کا عزم اپنے پہلے ڈراما سیریل ''وارث'' میں کیا تھا کیونکہ امجد اسلام امجد کے نزدیک معاشرتی خرابیوں کا قریب سے مشاہدہ کر کے ضبطِ تحریر میں لانا اور اپنے قلم کے ذریعے جہاد کرنا عین عبادت ہے۔ وہ ایسے ادیبوں سے نالاں ہیں جو یہ فریضہ سرانجام نہیں دیتے۔ اپنے ایک لیکچر میں کہتے ہیں:

> آج کل لوگ گھر بیٹھے خشک سالی کی وجوہات جان رہے ہیں بغیر وہاں کا دورہ کیے۔ ان کے مسائل ووسائل کو جانے سمجھے بغیر بلند بانگ دعوے کر رہے ہیں کہ ہمیں اپنے بلوچ بھائیوں کی مدد کرنی چاہیے۔ کام آنا چاہیے کتنے لوگ ہیں جو Sincerely اس پر لکھیں گے۔ صرف Theoritical باتیں ہوں گی لیکن یاد رکھیں غریبوں کے محلے میں رہنا اور بات ہے اور محلے

سے گزرنا اور بات ہے۔ ہم رومال رکھ کر گزرتے ہیں کہ بدبو آ رہی ہے، بچہ کوڑے سے اُٹھا کر کھا رہا ہے۔ پانچ منٹ بعد آپ اس سارے ماحول کو بھول جائیں گے لیکن جو وہاں چوبیس گھنٹے رہ رہا ہے وہاں رہنے کا تجربہ تو اسے ہے۔ آپ اگر تجربہ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو مشاہدے اور تجربے کی سطح سے گزرنا ہوگا تب ہی آپ کی تحریر میں مضبوطی Punch اور خوبصورتی آئے گی جو ہونی چاہیے تاکہ آپ معاشرے کو صحیح طرح dipict کر سکیں جب اللہ نے یہ صلاحیت دی ہے کہ آپ اظہار کر سکیں تو آپ کو یقیناً ایک اچھے کاریگر کی طرح اپنے تمام tools کا علم ہونا چاہیے کہ کون سا ٹول کس وقت کیسے استعمال کرنا ہے۔۲۵

''وارث''، ''دہلیز'' اور ''سمندر'' کے مقابلے میں امجد اسلام امجد کی ڈراما سیریل ''وقت'' زیادہ مقبول نہیں ہوا کیونکہ اس سلسلہ وار اُردو کھیل میں افسانوی عنصر ان کے گزشتہ ڈراموں کے مقابلے میں زیادہ نمایاں نہیں بلکہ اس پر مقصدیت کا رنگ غالب ہے لیکن اسے ڈرامے میں نقص یا خامی نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ ''وقت'' کا موضوع جو سماجی برائیاں تھیں۔ ان کا تقاضا تھا کہ ڈرامے کی فضا سازی اسی انداز سے کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سلسلہ وار اُردو کھیل پر مقصدیت غالب رہی اور یہ ڈراما ناظرین کے حافظے میں مصنف کے گزشتہ ڈراموں کی طرح محفوظ نہیں مگر اس کے باوجود یہ سلسلہ وار اُردو کھیل تلخ تہذیبی و سماجی حقیقتوں کا آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ ان سماجی برائیوں کے خلاف ڈراما نگار کی جدوجہد ہے۔

امجد اسلام امجد کا پانچواں سلسلہ وار اُردو کھیل ''رات'' ۱۹۸۷ء میں پاکستان ٹیلی ویژن سے نشر ہوا۔ یہ سلسلہ وار اُردو کھیل اپنے موضوع اور کردار نگاری کے حوالے سے امجد اسلام امجد کے گزشتہ ڈراموں سے مختلف ہونے کے ساتھ ساتھ مصنف کے ذہنی ارتقا کا واضح ثبوت بھی ہے اور اس امر کا غماز بھی کہ وقت کے ساتھ ساتھ معاشرتی اقدار اور سماجی روّیوں میں بین الاقوامی تہذیب و معاشرت کے اثرات منفی تبدیلیوں کے محرک ثابت ہو رہے ہیں۔ ''وارث''، ''دہلیز''، ''سمندر'' اور ''وقت'' میں مصنف نے ضمناً بے شمار سماجی مسائل کی عکاسی کی ہے لیکن ان ڈراموں کا بُنیادی موضوع جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ ۱۱۳ اقساط پر مشتمل یہ سلسلہ وار اُردو کھیل ''رات'' اس حوالے سے ایک منفرد تخلیقی تجربہ ہے کہ اس میں انھوں نے خالصتاً شہری اور صنعتی زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کے مسائل اور وسائل کی عکاسی کی ہے۔ اس ڈرامے پر تبصرہ کرتے ہوئے امجد اسلام امجد رقمطراز ہیں:

> مجھے ذاتی طور پر یہ کھیل اس لیے بھی زیادہ پسند ہے کہ اس کا موضوع ٹریٹ منٹ، کردار نگاری اور انداز میرے باقی کے تمام سیریلز سے مختلف ہے۔ اگرچہ اس میں بھی کہانی کے تین ٹریک ساتھ ساتھ چلتے ہیں مگر ان کی نوعیت اور باہمی تعلق کچھ ایسا ہے جس کا اپنا ذائقہ اور اپنی خوشبو ہے اس میں استعمال ہونے والا عابد کاشمیری کا تکیۂ کلام ''خیر ہو آپ کی'' تو اس قدر مقبول ہوا کہ آج بھی آپ اسے کم و بیش پچاس فی صد ٹرکوں اور بسوں کے پیچھے درج پائیں گے۔۲۶

یہ ڈراما ۱۹۹۶ء میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوا اور ۳۵۳ صفحات پر مشتمل یہ کتاب قارئین کے لیے بھی اسی طرح دلچسپی کا مرکز ہے جس طرح اس ڈراما سیریل نے پاکستان ٹیلی ویژن سے مقبولیت اور پذیرائی حاصل کی۔ اس سلسلہ وار

اردو کھیل کی تینوں کہانیوں کے ذریعے مصنف نے سماجی حقیقت نگاری کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ پہلی کہانی بالکل منفرد ہے۔اس کی انفرادیت کے دو محرکات ہیں۔ایک تو وہ معاشرتی استحصال جس میں کنول کا باپ (اقبال) عمر بسر کرتا ہے اور دوسرا طاہرہ واسطی (مریم باری) ثمینہ پیرزادہ (کنول اقبال) اور افضال احمد (منور احمد) کی مثلث ہے جسے ڈراما نگار نے فکشن کی بیشتر تحریروں کا مرکزی نکتہ قرار دیا ہے لیکن اس افسانوی عنصر کی آمیزش سے ڈراما نگار نے بے شمار تلخ حقائق کی ترجمانی کی ہے۔اس کہانی کے بارے میں امجد اسلام امجد لکھتے ہیں:

> جس بات نے اسے ایسی وسیع اور دیرپا مقبولیت عطا کی ہے وہ افضال احمد، طاہرہ واسطی اور ثمینہ پیرزادہ کی وہ مثلث تھی جو فکشن کی بیشتر عمدہ تحریروں کا مرکزی نکتہ رہی ہے۔ایک ۴۵ سالہ شادی شدہ شخص اور بظاہر انتہائی کامیاب بزنس مین کا اپنی بیٹی کی کلاس فیلو کے ساتھ ایک ایسے عجیب اور مبہم سے رشتہ میں بندھ جانا جسے کوئی نام دینا ممکن نہ ہو اور دوسری طرف اس لڑکی کا اس شخص سے بے حد متاثر ہونے کے باوجود اس کے جذباتی بحران سے بے خبر ہونا اور اپنی بچپن سے چلی آنے والی محبت کی بارش میں مسلسل بھیگتے رہنا ایک ایسا نازک معاملہ تھا جسے ٹی وی ڈرامے کی مخصوص اخلاقی حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے ایسے بولڈ اور پیچیدہ مسئلے پر قلم اُٹھانا نو سال پہلے آج سے کہیں زیادہ مشکل تھا۔۴۱

اس سلسلہ وار اُردو کھیل کی اہمیت یہ بھی ہے کہ امجد اسلام امجد نے اس کی دوسری کہانی کے ذریعے پہلی مرتبہ طلبا سیاست کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بے راہ روی پر قلم اٹھایا اور اس طبقاتی فرق کی نشاندہی کی جس کی وجہ سے ہمارا تعلیمی نظام کوئی بہترین معیار قائم کرنے سے قاصر رہا۔ امجد اسلام امجد چونکہ خیر کی بالادستی پر یقین رکھتے ہیں اس لیے اس کہانی کے تمام کرداروں کو ایس پی منصور کے ذریعے کیفرِ کردار تک پہنچا کر اس کا منطقی انجام دکھایا ہے۔ تیسری کہانی پروفیسر ڈاکٹر رزاق کی ہے جو انتہائی شریف اور ایماندار ہے۔ ڈاکٹر رزاق کئی برس سے امریکہ میں رہنے کے بعد جذبۂ حب الوطنی کے تحت پاکستان میں رہنے کا فیصلہ کر لیتا ہے مگر اس کے حالات اس وقت تنگ ہو جاتے ہیں جب اسے ممتاز گروپ کے خلاف پروفیسر نواز سے زبردستی پرچہ چھپنے پر قائم انکوائری کمیٹی کا انچارج بنایا جاتا ہے۔ ٹیلی فون پر راقم الحروف سے گفتگو کے دوران امجد اسلام امجد نے ڈاکٹر رزاق کے کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا:

> یہ محض ڈرامائی کردار نہیں بلکہ میں ذاتی طور پر ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جو کچھ عرصہ امریکہ میں مقیم رہنے اور غیر معمولی قابلیت حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن پاکستان میں اپنی بہترین خدمات سرانجام دینا چاہتا ہے اور اسی طرح کی مشکلات کا شکار ہے۔۴۲

کوئی بھی ادیب یا تخلیق کار جب معاشرے کو مروّجہ اصول وضوابط سے ہٹ کر کچھ نئے معیارات دینا چاہتا ہے تو اپنے اردگرد موجود سماجی برائیوں سے اغماض نہیں برت سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ڈراما سیریل ''رات'' اپنے نام کی مناسبت سے اَن گنت سماجی تلخیوں کا آئینہ دار ہے۔ تینوں کہانیوں میں متوسط طبقے کے افراد معاشرتی جبر اور معاشرتی عدم استحکام کا شکار ہیں مگر ڈراما نگار نے اپنے تخلیقی شاہکاروں کو معاشرتی عدم استحکام کے باوجود پُر امید دکھایا ہے اور ایک خاص معیار جو فنکار مروّجہ تہذیب وسماج کو دینا چاہتا تھا۔اس کے موثر ابلاغ میں پوری طرح کامیاب ہوا۔یوں بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے

کہ یہ سلسلہ وار اُردو کھیل فکشن کی عمدہ تحریر ہے جس میں انجام کار ان تمام سماجی برائیوں کا قلع قمع ہوا جو صبح کی شفاف روشنی کو گہنائے ہوئے تھیں۔

''وارث'' سے ''رات'' تک امجد اسلام امجد کے تمام سلسلہ وار اُردو کھیل دورِ آمریت کی پیش کش ہیں مگر ان تمام ڈراموں میں مصنف نے جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کی بیخ کنی سمیت اَن گنت سماجی روّیوں کی ترجمانی کی ہے۔ انھوں نے اپنی ڈراما نگاری کے ذریعے اس تہذیبی ورثے کی بازیافت کی تمنّا کا اظہار کیا جس کے پیامبر حضرت محمد ﷺ ہیں۔ ہر چند کہ دورِ آمریت میں ماضی کے اس روشن باب کی بازیافت آسان مرحلہ نہ تھی لیکن فنکار نے نہایت سلیقہ مندی سے برقی میڈیا کے ذریعے بہترین قدروں کے فروغ کی کوشش کی اور غلط قدروں کے خلاف قلم سے جہاد کیا۔ وہ خود کہتے ہیں:

> اگر آپ سچ اور با مقصد لکھنا چاہتے ہیں تو ہمارے جیسے معاشروں میں ہر حکومت کے دور میں مسائل ہوتے ہیں، سوضیاء کے دور میں بھی تھے۔۲۹

پاکستان کی سیاسی تاریخ کا مطالعہ اس امر کا غماز ہے کہ یہاں تحریر و تقریر پر پابندی صرف دورِ آمریت کا خاصا نہیں بلکہ جمہوری حکومتوں میں بھی ادیب اور دانشور سرکاری حکمتِ عملی کے مطابق سوچنے اور لکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں لیکن امجد اسلام امجد نے اپنے ڈراموں کے ذریعے ہر دور کی قباحتوں اور برائیوں کو جرأت اور بے باکی سے نمایاں کیا۔ چنانچہ ۱۹۹۱ء سے ۲۰۰۰ء تک انھوں نے پاکستان کے لیے فکر انگیز ڈرامے تحریر کیے۔ اس زمانے میں سیاسی عدم استحکام کے ساتھ ساتھ پاکستانی تہذیب و سماج میں اکیسویں صدی میں داخل ہونے کی تیاری کے نتیجے میں مغربی اثرات بھی غالب نظر آتے ہیں۔ چنانچہ امجد اسلام امجد نے ''فشار'' سے ''انکار'' تک تمام ڈراموں میں معاشرتی عدم استحکام کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ اس پیغام کو عام کیا جس پر مسلم معاشرے کی بقا کا انحصار تھا۔ ان کا تخلیق کردہ اُردو کھیل ''فشار'' اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس ڈرامے میں بنیادی طور پر انھوں نے سرمایہ دارانہ نظام کو ہدفِ تنقید بنایا ہے لیکن ملفوف انداز سے اس امر کی ترجمانی بھی کی ہے کہ انگریزی زبان اور مغربی تہذیب کے اثرات نے ہمارے زبان و ادب پر منفی اثرات مرتب کیے ہیں۔

۱۹۹۱ء میں پاکستان ٹیلی ویژن سے نشر ہونے والا یہ سلسلہ وار اُردو کھیل ''فشار'' دو طبقات کے مسائل و وسائل کا احاطہ کرتا ہے۔ نچلا متوسط طبقہ جس کے نمائندہ توحید اور اس کے بچے ہیں اور سرمایہ دار طبقہ جس کی جھلک سیٹھ رزاق اور اس کے اہلِ خانہ میں نظر آتی ہے۔ اس کے علاوہ اس سلسلہ وار اُردو کھیل میں بھی ''رات'' کی طرح طلباء سیاست کے نتیجے میں جنم لینے والے تصادم کی عکاسی کی گئی ہے مگر یہاں ڈراما نگار نے محض طالب علموں کی بے راہ روی کی نشاندہی نہیں کی بلکہ ان عوامل پر جرأت مندانہ تنقید کی ہے جو ان معاشرتی خرابیوں کا اصل محرک ہیں۔

امجد اسلام امجد کے تخلیق کردہ تمام ڈراموں میں تعلیم یافتہ کردار اعلیٰ شعری ذوق کے حامل ہوتے ہیں مگر اس سلسلہ وار اُردو کھیل میں ڈراما نگار نے سیٹھ رزاق کی نواسی رُباب اور داماد انیس کی شعبۂ موسیقی میں دلچسپی کے ذریعے موضوعاتی سنجیدگی میں ادبی رنگ کی چاشنی سے توازن قائم کیا ہے۔ اس سلسلہ وار اردو کھیل کی کہانی بھی ''رات'' کی طرح تین دائروں میں گھومتی ہے۔

۱۱۳ اقساط پر مشتمل یہ سلسلہ وار اُردو کھیل ''فشار'' بیسویں صدی کے آخری عشرے میں پاکستان ٹیلی ویژن سے نشر ہوا جس میں معاشرتی انتشار کی آئینہ داری کے ساتھ ساتھ اس آخری عشرے میں زبان و ادب پر مرتب ہونے والے منفی اثرات کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ ڈراما نگار نے توحید احمد کے بیٹے ولید کے ذریعے نہ صرف معاشی عدم استحکام کی جھلک دکھائی ہے بلکہ متوسط اور مقتدر طبقے کے مختلف معیارِ تعلیم کو بھی شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور ملفوف انداز سے اس سازش کو بے نقاب کیا ہے جس کے تحت ہمارے قومی تشخص اور زبان کو مٹانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ سلسلہ وار اُردو کھیل اس زمانے میں نشر ہوا جب پاکستان ٹیلی ویژن کے علاوہ بہت سے نشریاتی ادارے قائم ہو چکے تھے لیکن اس کے باوجود امجد اسلام امجد کے تحریر کردہ اس ڈرامے نے عوام و خواص میں پذیرائی حاصل کی۔ اس میں استعمال ہونے والا عابد کاشمیری کا تکیۂ کلام ''جیو ہزاروں برس جیو'' بے حد مقبول ہوا۔

اس سلسلہ وار اُردو کھیل میں ڈراما نگار نے تمام نسوانی کرداروں کو غیر معمولی جرأت اور بہادری کا مظہر دکھایا ہے۔ ضمنی نسوانی کردار اگرچہ روشِ زمانہ کے ساتھ تو چلنے کے متمنی دکھائی دیتے ہیں تاہم مرکزی نسوانی کردار بلقیس، راضیہ اور رُباب اپنی مخصوص اخلاقی حدود میں رہتے ہوئے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کا حوصلہ رکھتی ہیں۔

''فشار'' کے بعد ۱۹۹۲ء میں امجد اسلام امجد کا لازوال ڈراما ''دن'' نشر ہوا جس میں ''رات'' کے بعد مصنف نے ایک بار پھر جاگیردارانہ نظام کی طرف مراجعت کی۔ سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام کے استحصالی روّیے کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ اس سلسلہ وار اُردو کھیل کے تعلیم یافتہ اور باشعور کردار اکیسویں صدی کے استقبال کی تیاری میں مصروفِ عمل دکھائے گئے ہیں۔ ان کرداروں کے وسیلے سے ڈراما نگار نے ان تلخ سماجی حقائق کی ترجمانی کی ہے کہ جدید رجحانات کی کورانہ تقلید کے نتیجے میں پاکستانی معاشرہ غیر شعوری طور پر اپنے بہترین تہذیبی ورثے سے محروم ہو رہا ہے۔ ۱۱۳ اقساط پر مشتمل اس سلسلہ وار اردو کھیل میں مصنف نے بیک وقت تین طبقات کے مسائل و وسائل کی عکاسی کی ہے۔ نچلا متوسط طبقہ، سرمایہ دار اور جاگیردار طبقہ اس سلسلہ وار اُردو کھیل کی غیر معمولی مقبولیت کے باعث ۱۹۹۳ء میں اسے زیورِ طباعت سے آراستہ کیا گیا۔ یہ کتاب ۴۰۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ ڈراما نگار نے اس سلسلہ وار اُردو کھیل کے ذریعے پاکستانی تہذیب و سماج میں طبقاتی کشمکش کو اس فنکارانہ مہارت سے اُجاگر کیا کہ ہر طبقہ اپنے مخصوص ماحول میں رہتے ہوئے ہمارے تہذیبی اور سماجی روّیوں کا مبصر اور ترجمان تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سلسلہ وار اُردو کھیل کو عوام نے بے حد پسند کیا۔ امجد اسلام امجد نے شہر کے صنعت کار یا سرمایہ دار کے مقابلے میں ایک جاگیردار کو زیادہ سفاک اور سنگدل دکھایا ہے۔ وہ ان ادیبوں میں سے ہیں جو یہ جانتے ہوئے کہ جاگیردارانہ نظام کو ختم کرنا محال ہے۔ اس نظام کے خلاف قلم سے جہاد کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ وارث کے چودھری حشمت کی سفاکی اور سنگدلی کے باوجود ڈراما نگار نے اسے کچھ خوبیوں کا حامل دکھایا تھا کیونکہ اس کا بیٹا یعقوب شہر کا سرمایہ دار ہونے کی وجہ سے اپنے جاگیردار باپ چودھری حشمت کے بالکل برعکس تھا۔ اس لیے ''وارث'' کی حد تک ان کا یہ بیان درست ہے کہ:

> شہر کا نیا سرمایہ دار شائد ''وارث'' کے حشمت خان سے زیادہ ظالم، انسان کش، خود غرض اور ارتقا دشمن ہے اور اس میں وہ انسانی صفات بھی نہیں جو حشمت کی تمام برائیوں کے باوجود ایک طویل تہذیبی سفر کی وساطت سے اس کی شخصیت میں رچی بسی ہوئی ہیں۔۳۰

لیکن مصنف کے اس بیان کو اگر ''دہلیز'' کے سرمایہ دار احمد علی اور سردار جہانگیر اور ''دن'' کے وہاب علی اور سردار دلاور پر منطبق کریں تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ سرمایہ دارانہ نظام کے برعکس ڈراما نگار جاگیردارانہ نظام سے خوف زدہ ہے کیونکہ مذکورہ بالا دونوں سرمایہ دار احمد علی اور وہاب علی بالآخر صراطِ مستقیم پر گامزن ہوئے ''دہلیز'' کا سردار جہانگیر اپنی آگ میں جھلس گیا جبکہ ''دن'' کا سردار دلاور اپنے مکروہ عزائم سمیت روپوش ہوگیا۔ سردار دلاور کی روپوشی اس بات کی علامت ہے کہ وہ پھر نئے عزائم کے ساتھ لوگوں کا استحصال کرے گا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ڈراما نگار نے جس یقین اور اعتماد کے ساتھ ''وارث'' لکھا تھا وہ پختہ ہونے کی بجائے متزلزل ہوا ہے۔ وارث ہی کے دیباچے میں امجد اسلام امجد رقم طراز ہیں:

> میرا جی چاہتا ہے کاش کوئی مجھ سے وہ سارے اعزاز اور اسمائے توصیف واپس لے لے جو مجھے اس ڈرامے کے حوالے سے ملے اور ان کی جگہ صرف مُجھے میرا وہ یقین واپس دے دے جو مجھے اپنے خواب میں تھا کیونکہ آئینہ اور یقین دو ایسی چیزیں ہیں کہ اگر دھندلا جائیں تو ٹوٹ بھی جاتی ہیں۔۳۱

لیکن دوسرے ڈراموں کی طرح اس ڈرامے میں بھی امجد اسلام امجد نے خیر کی فتح دکھائی ہے۔ اس ڈراما سیریل کی عوام نے خوب پذیرائی کی ۱۹۹۲ء تک اگرچہ بہت سے نشریاتی ادارے متعارف ہو چکے تھے تاہم پی ٹی وی کے ڈراموں کی مقبولیت اپنی جگہ برقرار تھی۔ اس ڈرامے نے مختلف طبقات پر مختلف اثرات مرتب کیے۔ مثلاً وہاب علی کی بیٹی تابندہ نے اگرچہ اپنی محرومیوں کا ازالہ کرنے کے لیے مشتاق سے طلاق لے کر سردار دلاور سے شادی کی اور جاگیردار کا اصل چہرہ دیکھنے کے بعد جرأت اور استقامت سے اپنی غلطی کا اعتراف بھی کیا تاہم جاگیردار طبقے نے اس کردار کو بنظرِ استحسان نہیں دیکھا۔ دوسری طرف سردار دلاور ہی کی بیوی ماہ پارہ رقاصہ ہونے کی وجہ سے سردار دلاور کے استحصال کا شکار ہوئی تو ظلم کے خوگر وڈیروں کو اس سے نفسیاتی تسکین ملی جبکہ تعلیم یافتہ اور بالغ نظر ناظرین احسان احمد، نوال، ایس پی کی فرض شناسی سے بے حد متاثر ہوئے۔

اگرچہ بیسویں صدی کا آخری عشرہ نئی ایجادات اور جدید تقاضوں سے ہم آہنگ تھا۔ تاہم پاکستان ٹیلی ویژن کے اس ڈراما سیریل ''دن'' کو لوگوں نے اسی طرح پسندیدگی اور دلچسپی سے دیکھا جیسا آغاز کے عشروں میں دیکھا کرتے تھے۔ کمپیوٹر، موبائل فون اور دوسری ایجادات کے باوجود ناظرین پورا ہفتہ اس ڈراما سیریل کا انتظار کرتے تھے اور اس کے کرداروں کو گھروں، سکولوں، کالجوں اور دفتروں میں موضوعِ گفتگو بنایا جاتا تھا مثلاً بدرالدین کا تکیۂ کلام ''اندازہ کرو'' اس وقت زبان زدِ عام تھا اور تابندہ کی چھوٹی بہن نوال کا نام اس سیریل کے بعد بہت سے لوگوں نے اپنی بچیوں کے لیے پسند کیا۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک ادیب کی تحریر کسی بھی زمانے میں مقبول تحریر ہو سکتی ہے اور اس کے اثرات ہمارے تہذیبی اور سماجی رویّوں کو متاثر کرتے ہیں۔

''فشار'' اور ''دن'' کے بعد ۱۹۹۶ء میں امجد اسلام امجد کا ایک اور سلسلہ وار اُردو کھیل ''ایندھن'' پاکستان ٹیلی ویژن سے نشر ہوا۔ اس کی پہلی دو اقساط ''پل'' کے نام سے نشر کی گئیں جبکہ بقیہ گیارہ اقساط مذکورہ بالا نام سے

نشر ہوئیں۔[۳۲] یہ سلسلہ وار اُردو کھیل ''فشار'' اور ''دن'' کی طرح مقبول نہ ہو سکا اس کا سبب ڈراما نگار نے یہ بتایا:

> اس سلسلہ وار اردو کھیل کی پیش کش اور اداکاروں سے میں مطمئن نہیں تھا جس کی وجہ سے یہ سلسلہ وار اُردو کھیل حسبِ سابق مقبول نہ ہو سکا۔[۳۳]

لیکن یہ ڈراما سیریل ایسا غیر مقبول بھی نہیں رہا کہ اسے غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے۔ اس سلسلہ وار اُردو کھیل میں استعمال ہونے والا عابد کاشمیری کا تکیۂ کلام ''کون لوگ ہوتُسی'' بے حد مشہور ہوا۔ یہ سلسلہ وار اُردو کھیل اگرچہ نوے کے عشرے میں پاکستان ٹیلی ویژن سے نشر ہوا تاہم اس ڈرامے کے ذریعے ۱۹۶۰ء کے زمانے کی ترجمانی کی گئی۔ ڈرامے کا ماحول اور کرداروں کے مکالمات اس بات کے غماز ہیں کہ یہ صدر ایوب کا زمانہ تھا مگر گردشِ ایام کو پیچھے کی طرف موڑنے کی کوئی خاص وجہ پورے ڈرامے میں کہیں نظر نہیں آتی بلکہ یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ صدر ایوب کے زمانے کا تاثر بھی ڈرامے کے محض ایک دو مناظر میں ہی اُبھر سکا اور پورے ڈرامے کا انداز امجد اسلام امجد کے دیگر ڈراموں جیسا ہی رہا۔ اس ڈرامے میں بھی حسبِ سابق خیر اور شر کی کشمکش کے ذریعے پاکستان کے تہذیبی اور سماجی روّیوں کی ترجمانی کی گئی اور خیر کی بالادستی پر ڈرامے کا اختتام ہوا۔ گزشتہ تمام ڈراموں کی طرح ''ایندھن'' میں بھی امجد اسلام امجد نے سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام کی قباحتوں پر قلم اُٹھایا ہے۔ اس سلسلہ وار اُردو کھیل میں انھی دو طبقات کی نمائندگی کی گئی ہے لیکن اس سلسلہ وار اُردو کھیل میں بھی ''وقت'' کے چودھری منصب کی طرح یار محمد کو مثبت قدروں کا ترجمان دکھایا ہے۔ ممکن ہے اس تبدیلی کی وجہ ناظرین کے اس عام تاثر کی نفی کرنا ہو کہ امجد اسلام امجد جاگیرداروں کے لیے صرف غصے اور نفرت کا اظہار کرتے ہیں سو ''ایندھن'' میں انھوں نے جاگیردارانہ نظام کی قباحتوں کو یار محمد کے بھتیجے اور بھائی کے ذریعے نمایاں کر کے ایک شریف اور نیک دل جاگیردار کا استحصال دکھایا ہے۔

ڈرامے کے مرکزی کردار عرفان احمد کی فرض شناسی اور حب الوطنی کے وسیلے سے ڈراما نگار نے شرافت اور وضع داری کو صحت مند معاشرے کے قیام کے لیے ضروری خیال کیا ہے اور اس کردار اور اس کے اہلِ خانہ کو پیش آنے والی مشکلات اور مصائب اس امر کے غماز بھی ہیں کہ شریف اور وضع دار لوگ مثبت روایتوں اور قدروں کے فروغ کی خاطر بسا اوقات اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیتے ہیں لیکن ہیرا پھیری اور بدعنوانی کے مرتکب افراد بھی اپنی ہی دہکائی ہوئی آگ کا ایندھن بن جاتے ہیں۔

اس سلسلہ وار اردو کھیل کا مجموعی تاثر نہایت مثبت اور دیرپا ہے۔ یہ ڈراما بھی تہذیبی اور سماجی روّیوں کا آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ تفریحِ طبع کا باعث تھا اور اپنے نشریاتی دور میں عوام کی توجہ اور دلچسپی کا مرکز تھا۔ اس سلسلہ وار اُردو کھیل کی دونسوانی کرداروں زہرا اور ماہ لقا کے ذریعے ڈراما نگار نے تعلیم یافتہ گھریلو کرداروں کی مشکلات کا احاطہ کیا ہے

اکیسویں صدی کا پہلا عشرہ پاکستانی تاریخ میں اس اعتبار سے خاص اہمیت کا حامل ہے کہ جنرل پرویز مشرف کے جمہوریت کی بساط الٹنے کے بعد وطنِ عزیز میں ایک بار پھر آمریت کا نفاذ ہوا لیکن جنرل پرویز مشرف کا دور سابقہ آمروں سے اس حوالے سے مختلف تھا کہ انھوں نے پاکستان کو اکیسویں صدی کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے

کے لیے روشن خیالی کا نعرہ بلند کیا جس کے نتیجے میں پرنٹ میڈیا کے ساتھ ساتھ برقی میڈیا بھی آزاد ہوا۔ اسی دور میں پاکستان میں بے شمار نشریاتی ادارے قائم ہوئے جن کا بنیادی مقصد تو حق وصداقت کی ترویج تھا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ نشریاتی ادارے اپنے بنیادی مقصد سے منحرف ہو گئے۔ پاکستان ٹیلی ویژن نے مسابقت سے ہم آہنگ ہونا چاہا لیکن یہ قومی ادارہ بھی رفتہ رفتہ ایک تجارتی ادارے کی صورت اختیار کر گیا اور ۲۰۰۰ء کے بعد پاکستان ٹیلی ویژن کی ڈراما نگاری کا وہ معیار برقرار نہ رہ سکا جو اس کی پہچان تھا۔ نجی ٹی وی چینلوں کی بھرمار کے بعد ڈراموں کے معیار اور اس کے تہذیبی وسماجی ماحول میں نمایاں فرق نظر آنے لگا اور اعلیٰ ادبی وفنی پہلو ڈرامے سے غائب ہوتے گئے۔

۲۰۰۰ء میں پاکستان ٹیلی ویژن سے نشر ہونے والا امجد اسلام امجد کا سلسلہ وار اردو کھیل ''انکار'' روشن خیالی کی اس تحریک کے منفی پہلوؤں کو اُجاگر کرنے کی ایک کوشش تھا جس کا ذکر ہم نے سطور بالا میں کیا ہے۔ اگرچہ اس زمانے میں بیشتر نشریاتی اداروں سے ڈرامے دکھائے جا رہے تھے تاہم اس کے باوجود ''انکار'' ناظرین کی خاص توجہ اور دلچسپی کا محور رہا۔ اس ڈرامے میں جہاں منشیات فروشی اور سمگلنگ کو اس کی تمام تر قباحتوں اور برائیوں کے ساتھ بے نقاب کیا گیا وہاں اس حقیقت کی ترجمانی بھی کی گئی کہ اولاد پر بے جا اعتماد خطرناک نتائج پیدا کر سکتا ہے۔

۱۱۳ اقساط پر مشتمل یہ سلسلہ وار اُردو کھیل پاکستان ٹیلی ویژن کے لیے تحریر کیا جانے والا امجد اسلام امجد کا نواں اور اب تک کا آخری ڈراما ہے۔ نوّے کے عشرے میں ''فشار''، ''دن'' اور ''ایندھن'' کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد ڈراما نگار نے جرأت اور بے باکی سے اس سلسلہ وار اردو کھیل میں سماجی حقائق کی ترجمانی کی ہے۔

امجد اسلام امجد کی اس جرأت مندانہ کوشش کو عوامی پذیرائی بھی حاصل ہے اور پاکستان ٹیلی ویژن سے پہلی مرتبہ اس موضوع کے بے باکانہ ابلاغ کی وجہ سے بہت سے عوامی حلقوں میں اس سیریل اور اس کے مصنف کو شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ اس میں شک نہیں کہ اکیسویں صدی کے پہلے عشرے میں پاکستان ٹیلی ویژن سے پیش کیے جانے والے اس سلسلہ وار اُردو کھیل میں تلخ سماجی حقائق کی ترجمانی کے لیے اشارے کنائے کی بجائے نہایت واضح انداز اختیار کیا گیا۔ لیکن یہ کہنا غلط ہوگا کہ اس جرأت مندانہ اظہار کی وجہ سے اسے ادبی تحریر کا درجہ نہیں دیا جا سکتا کیونکہ تمام تر پیچیدگیوں کے باوجود ''انکار'' موجودہ دور میں نشر کیے جانے والے ٹی وی ڈراموں کے مقابلے میں ایک بہترین ادبی تحریر ہے۔ ۲۰۰۰ء کے بعد پاکستان ٹیلی ویژن اور دوسرے نجی اداروں سے نشر ہونے والے غیر معیاری ڈراموں پر خود مصنف مذکور نالاں ہیں اور کہتے ہیں:

> آج کل کے ڈراما نگار نہ صرف سنسنی خیز واقعات پیش کرتے ہیں بلکہ بار باران کی تشہیر کر کے ڈرامے کی Rating بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ ڈراما سیریل ''انکار'' میں مَیں نے بھی ایک ناگفتہ بہ واقعہ پیش کیا تھا لیکن موجودہ ادیبوں کی طرح اس کی تشہیر کے لیے اس بات کو ڈرامے کے ہر منظر کا حصہ نہیں بنایا تھا۔ ۳۴

اس سلسلہ وار اُردو کھیل میں مصنف نے جدیدیت کے منفی رجحانات کی عکاسی اس انداز سے کی ہے کہ پاکستان میں ہر طبقے سے تعلق رکھنے والا شخص ان قباحتوں کا ادراک حاصل کر کے اپنے اندر ان منفی رجحانات سے بغاوت اور انکار کی جرأت پیدا کر سکے جو انسانیت کے لیے زہرِ قاتل ہیں۔

ڈراما سیریل ''انکار'' کی اہمیت یہ ہے کہ اس میں جہاں نام نہاد روشن خیالی سے برآمد ہونے والے نتائج کی بے لاگ تصویر کشی کی گئی ہے وہاں اسما، ابرار اور فاروق جیسے کرداروں کے ذریعے اس تہذیب کی جھلک بھی دکھائی ہے جو مسلم معاشرے کا طرۂ امتیاز ہے۔ تانیہ اور اس کی ماں جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کی شدید آرزو کے نتیجے میں اگر اخلاقی اعتبار سے کمزور ہوئیں تو اسماء کی عظمت اور بلند حوصلگی کے ذریعے ڈراما نگار نے عورت کی عظمت کو اُجاگر کیا ہے۔ اس ڈرامے کے تہذیبی اور سماجی مطالعے کے بعد یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ زوال آمادہ معاشرے کے لیے امجد اسلام امجد جیسے ادیب سرمایۂ افتخار ہیں کیونکہ مصلحتوں کے اس بے ہنگم دور میں یہی ادیب معاشرتی برائیوں کو اُجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ بہترین قدروں کے فروغ کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔

''وارث'' سے ''انکار'' تک امجد اسلام امجد کے ڈراموں کا تہذیبی اور سماجی مطالعہ اس امر کا غماز ہے کہ انھوں نے نہ صرف پاکستانی معاشرے کی

تہذیبی و سماجی زندگی کی بھرپور عکاسی کی ہے بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر قوم کی فکری و تہذیبی رہنمائی کا فریضہ بھی سر انجام دیا۔ انھوں نے قیام پاکستان کے بعد پروان چڑھنے والی نسل کو ایک واضح فکری سمت عطا کی، قومی مقاصد پر یک سو اور یک جا کیا اور ان میں نظریاتی ہم آہنگی پیدا کر کے قوم کو فکری انتشار میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھا۔ اس اعتبار سے امجد اسلام امجد کے ڈرامے نہ صرف پی ٹی وی کی تاریخ کا ایک روشن باب ہیں بلکہ قوم کے فکری و تہذیبی ارتقا میں بھی ایک نمایاں کردار ادا کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

حواشی

۱۔ افضل حسین بخاری، پی ٹی وی کی کارکردگی پر ایک طائرانہ نظر، تاج سعید پشاور: ۱۹۹۶ء): ص ۸۳-۸۴۔

۲۔ امجد اسلام امجد، وارث (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء)، ص ۱۳۔

۳۔ مشتاق احمد یوسفی، خط بنام عطاء الحق قاسمی، امجد اسلام امجد: فن اور شخصیت (لاہور: ۱۹۹۶ء)، ص ۳۱۔

۴۔ امجد اسلام امجد سے مصاحبہ، ڈیفنس، لاہور، ۲۴ دسمبر، ۲۰۱۳ء۔

۵۔ رضی الدین الدین صدیقی، امجد اسلام امجد۔ محبت کرنے والوں کا وارث، مشمولہ پیلھوں (ستمبر ۲۰۱۵ء): ص ۷۷۔

۶۔ امجد اسلام امجد، وارث، ص ۸-۹۔

۷۔ امجد اسلام امجد، ٹیلی ویژن کے لیے لکھنے کا فن (لاہور: پنجاب یونیورسٹی، شعبہ ابلاغیات)، ص ۲۴۔

۸۔ امجد اسلام امجد سے ٹیلی فونی گفتگو، مورخہ ۱۹ اگست ۲۰۱۳ء۔

۹۔ امجد اسلام امجد، وارث، ص ۱۳۔

۱۰۔ ایضاً۔

۱۱۔ نسرین پرویز، پاکستان کا ٹیلی ویژن ڈراما اور سماجی تبدیلیاں (کراچی، لائنز کمیونیکیشن۔

۱۹۹۹ء)،ص۱۸۱۔

۱۲۔ امجد اسلام امجد، وارث،ص۲۴۶۔

۱۳۔ امجد اسلام امجد، دہلیز (لاہور: التحریر، دسمبر۱۹۸۱ء)،ص۷۔

۱۴۔ امجد رؤف خان، امجد اسلام امجد سے گفتگو، امجد اسلام امجد: فن اور شخصیت (لاہور:۱۹۹۶ء)، ص۲۳۷۔۲۷۱۔

۱۵۔ امجد اسلام امجد سے مصاحبہ، مورخہ۲۴ دسمبر۲۰۱۳ء۔

۱۶۔ امجد اسلام امجد، دہلیز،ص۸۔

۱۷۔ ایضاً۔

۱۸۔ ایضاً۔

۱۹۔ ظہورالدین، جدید اُردو ڈراما، (نئی دہلی: ادارہ فکر جدید، ۱۹۸۷ء)،ص۲۵۴۔

۲۰۔ سنہری یادیں، پاکستان ٹیلی ویژن کا پروگرام، نشر شدہ نومبر۲۰۱۴ء۔ستمبر۲۰۱۵ء۔

۲۱۔ ظہورالدین، جدید اُردو ڈراما،ص۲۵۴۔

۲۲۔ امجد اسلام امجد، دہلیز، صفحات۲۲۔۳۳۔

۲۳۔ امجد اسلام امجد، سمندر (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء)،ص۷۔

۲۴۔ امجد اسلام امجد، ٹیلی ویژن کے لیے لکھنے کا فن۔ص۱۸۔

۲۵۔ ایضاً،ص۱۹۔

۲۶۔ امجد اسلام امجد، رات (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء)،ص۵۔

۲۷۔ ایضاً،ص۶۔

۲۸۔ امجد اسلام امجد سے ٹیلی فونی گفتگو، مورخہ۲۰ ستمبر۲۰۱۳۔

۲۹۔ ایضاً، مورخہ۷ مارچ ۲۰۱۵ء۔

۳۰۔ امجد اسلام امجد، وارث،ص۹۔

۳۱۔ ایضاً،ص۱۴۔

۳۲۔ امجد اسلام امجد سے ایک مصاحبہ، مورخہ۲۴ دسمبر۲۰۱۳۔

۳۳۔ امجد اسلام امجد سے ٹیلی فونی گفتگو، مورخہ۱۲ دسمبر۲۰۱۴۔

۳۴۔ امجد اسلام امجد سے ایک مصاحبہ، مورخہ۲۴ دسمبر۲۰۱۳ء۔